فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۲۳)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: کیا اجارہ جائز ہے؟

جواب: اجارہ جائز ہے، بشرطیکہ کوئی شرعی قباحت نہ پائی جائے۔

سوال: کیا اُمور دین پر اجرت لینا پیٹ میں انگارے ڈالنا ہے؟

جواب: جو لوگ دینی اُمور پر اجرت کو حرام سمجھتے ہیں، وہ اس پر بعض قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہیں، جبکہ وہ آیات اجرت کی حرمت پر دلالت نہیں کرتیں، ملاحظہ ہو:

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولٰئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُونِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

(البقرة : ١٧٤)

”جو لوگ اللہ کی نازل کردہ کتاب کو چھپاتے اور اس کے بدلے میں تھوڑی قیمت حاصل کرتے ہیں، بلاشبہ وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھرتے ہیں، روزِ قیامت اللہ تعالیٰ نہ اُن سے کلام فرمائے گا، نہ انہیں پاک کرے گا اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔“

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَہٗ فَنَبَذُوْہُ وَرَاءَ ظُھُوْرِھِمْ وَاشْتَرَوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیلًا فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ﴾(آل عمران : ۱۸۷)

''جب اللہ نے اُن لوگوں سے وعدہ لیا جنہیں کتاب دی گئی تھی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں، تو انھوں نے اسے پسِ پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے میں تھوڑی قیمت حاصل کر لی۔ بہت بُرا ہے جو وہ سودا کرتے ہیں۔''

❀ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿اِشْتَرَوْا بِآیَاتِ اللّٰہِ ثَمَنًا قَلِیلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِہٖ اِنَّھُمْ سَاءَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾(التّوبة : ۹)

''انھوں نے اللہ کی آیات کے بدلے میں تھوڑی قیمت حاصل کی اور اس کے راستے سے روکا۔ بلاشبہ بہت بُرا ہے جو وہ کرتے ہیں۔''

اِن آیات پر غور کرنے سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ کتاب اللہ کے بدلے میں تھوڑی قیمت لینے سے مراد دنیاوی اغراض کے بدلے کتاب اللہ کی آیات کو چھپانا اور ان میں لفظی ومعنوی تبدیلی وتحریف ہے۔

❀ اس کی اصل تفسیر بیان کرتے ہوئے مفسر قرآن، امام، اسماعیل بن عبد الرحمٰن بن ابوکریمہ، سدی رحمہ اللہ (۱۲۷ھ) فرماتے ہیں:

لَا تَأْخُذُوا طَمَعًا قَلِیلًا عَلٰی أَنْ تَکْتُمُوا مَا أَنْزَلْتُ .

’’تم میری نازل کردہ آیات کو چھپا کر تھوڑا (دنیاوی) فائدہ نہ لو۔‘‘

(تفسير الطبري : 345/10، وسندهٗ حسنٌ)

امام، ابوجعفر، محمد بن جریر، طبری رحمہ اللہ (۳۱۰ ھ) نے یہ تفسیر کی ہے:

’’تم میری آیات کو ادنیٰ قیمت میں فروخت کرتے ہو اور اُن کے بدلے میں تھوڑا سامان حاصل کرتے ہو، میں نے اپنے رسول پر جو وحی نازل کی ہے، اس کے ساتھ کفر کرتے ہو اور میرے نبی کی نبوت کا انکار کرتے ہو، لہٰذا اس بات سے ڈرو کہ میں تمہارے اوپر بھی وہی عبرت ناک سزائیں اور عذاب نازل کر دوں، جو تم سے پہلے اُن لوگوں پر نازل کی تھیں، جنہوں نے تمہارے جیسی رَوش اختیار کی تھی۔‘‘

(تفسير الطبري :566/1)

لہٰذا اس آیت کی یہ تفسیر کرنا کہ دینی اُمور پر اُجرت لینا حرام ہے، قرآنِ کریم کی معنوی تحریف اور احادیثِ صحیحہ و فہم سلف کی صریح مخالفت ہے۔

حیرانی تو اس بات پر ہے کہ یہ سارے دلائل اسلافِ امت اور ائمہ دین کے پیش نظر تھے، لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی دینی اُمور پر اُجرت کا حرام ہونا ثابت نہیں کیا۔ ہم کیسے تسلیم کر لیں کہ وہ سب ان آیات کی صحیح تفسیر سے نا آشنا رہے اور اصل تفسیر تکفیریوں کے سمجھ میں آ گئی، جو اسلافِ امت کو ’’دین فروش‘‘ اور ’’دوکان دار‘‘ قرار دیتے ہیں؟

اسلافِ امت سب سے بڑھ کر ورع و تقویٰ والے تھے، علم میں فائق اور دین پر عمل کرنے میں بے تکلف تھے۔ اگر ان دلائل سے تعلیم قرآن اور دینی اُمور پر اُجرت کا حرام ہونا ثابت ہوتا تو وہ ضرور اس کے قائل ہوتے۔

(سوال): اجتہاد کا کیا حکم ہے؟

(جواب): کسی مسئلہ میں کتاب وسنت اور اجماع امت سے دلیل معلوم نہ ہو، تو اجتہاد پر عمل کرنا جائز ہے، سب سے پہلے اجتہاد اسلاف امت کا ہے، بعد والوں کے اجتہاد پر پہلوں کے اجتہاد کو فوقیت حاصل ہے، کیونکہ ان کے زمانے کو خیر القرون کہا گیا ہے، یہ افضلیت ہر لحاظ سے ہے، کیونکہ وہ علم وتقویٰ اور علمی حرص میں بے مثال تھے۔

(سوال): کیا رسول اللہ ﷺ کا اجتہاد حجت ہے؟

(جواب): رسول اللہ ﷺ کا اجتہاد امت کے لیے حجت ودلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو اجتہادی خطا پر قائم نہیں رکھتا، لہٰذا جب نبی کریم ﷺ کوئی اجتہاد کریں اور اللہ تعالیٰ اسے قائم رکھے، تو یہ وحی الٰہی ہے، اسے ماننا وحی الٰہی کو ماننا ہے اور اس کا انکار وحی الٰہی سے انکار ہے۔

(سوال): کیا جذام کی وجہ نکاح فسخ ہوگا؟

(جواب): جذام کی وجہ سے نکاح فسخ نہ ہوگا، اگر شوہر اور بیوی اکھٹے نہیں رہنا چاہتے، تو طلاق یا خلع کے ذریعے الگ ہو سکتے ہیں۔

(سوال): کیا مزدور کی مزدوری جلدی ادا کرنی چاہیے؟

(جواب): مزدور کی مزدوری جلدی ادا کرنا مستحب ہے، البتہ اگر مزدور سے تاخیر سے مزدوری دینا طے ہو جائے، تو کوئی حرج نہیں۔

(سوال): ہاتھ چومنا کیسا ہے؟

(جواب): دست بوسی مشروع اور جائز ہے۔

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بیان کرتی ہیں:

كَانَتْ إِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ؛ قَامَ إِلَيْهَا، فَأَخَذَ بِيَدِهَا، وَقَبَّلَهَا، وَأَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهِ، وَكَانَ إِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا؛ قَامَتْ إِلَيْهِ، فَأَخَذَتْ بِيَدِهِ، فَقَبَّلَتْهُ، وَأَجْلَسَتْهُ فِي مَجْلِسِهَا .

''وہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آتیں، تو آپ ﷺ ان کی طرف کھڑے ہوتے، ان کے ہاتھ کو پکڑتے، اسے بوسہ دیتے اور انہیں اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ اسی طرح جب نبی اکرم ﷺ ان کے ہاں تشریف لے جاتے، تو سیدہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی طرف کھڑی ہوتیں، آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑتیں، اسے بوسہ دیتیں اور آپ ﷺ کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔''

(سنن أبي داوٗد : 5217، السنن الكبرٰى للنسائي : 8311، 9192، سنن الترمذي : 3872، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن صحیح غریب'' کہا ہے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (6953) نے اسے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

فائدہ مہمہ :

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی صحابی سے نبی کریم ﷺ کے مبارک ہاتھ کو چومنا ثابت نہیں، اس بارے میں واردشدہ ساری کی ساری روایات ''ضعیف'' ہیں۔

البتہ سلف صالحین سے اہل علم وفضل کے ہاتھ چومنا ثابت ہے، جیسا کہ:

✿ مشہور تبع تابعی، عاصم بن بہدلہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

مَا قَدِمْتُ عَلٰى أَبِي وَائِلٍ قَطُّ مِنْ سَفَرٍ؛ إِلَّا قَبَّلَ كَفِّي .

''میں جب بھی سفر سے واپس ابو وائل (شقیق بن سلمہ تابعی رحمہ اللہ) کے پاس

پہنچا، تو انہوں نے میرا ہاتھ چوما۔''

(القبل والمعانقة والمصافحة لابن الأعرابي : 5، وسندهٗ حسنٌ)

❁ حسین بن علی بن ولید جعفی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

رُبَّمَا فَعَلَهٗ لِي سُفْيَانُ، يَعْنِي ابْنَ عُيَيْنَةَ، يَعْنِي يُقَبِّلُ يَدَهٗ.

''بسا اوقات امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ میرا ہاتھ چوما کرتے تھے۔''

(القبل والمعانقة والمصافحة لابن الأعرابي : 7، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ، محدث ابومسہر رحمہ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

إِذَا خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ؛ اِصْطَفَّ النَّاسُ لَهٗ يُمْنَةً وَّيُسْرَةً، يُسَلِّمُوْنَ عَلَيْهِ، وَيُقَبِّلُوْنَ يَدَهٗ.

''جب آپ رحمہ اللہ مسجد کی طرف نکلتے، تو لوگ دائیں بائیں قطار بنا کر کھڑے ہوتے، آپ کو سلام کرتے اور آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیتے۔''

(تقدمة الجرح والتعديل لابن أبي حاتم :291)

اہل علم وفضل، والدین، نیک بزرگوں اور اساتذۂ کرام کی عزت وتکریم کرتے ہوئے ان کا ہاتھ چومنا شرعاً مشروع اور جائز ہے، بشرطیکہ ان میں عجب وتکبر پیدا ہونے کا خدشہ نہ ہو۔ ایسی صورت میں اجتناب ضروری ہو جائے گا۔

حصولِ تبرک کے لیے دست بوسی:

اگر کوئی شخص اولیاء اللہ اور صالحین کے ہاتھ حصولِ تبرک کے لیے چومتا ہے، تو یہ اقدام غیر شرعی، ناجائز ہونے کے ساتھ ساتھ قبیح بدعت اور منکر فعل ہے۔ اس کے بدعت ہونے کی دو وجہیں ہیں؛ پہلی یہ کہ تبرک آثارِ نبویہ کے ساتھ خاص ہے، اس تعظیم میں نبی

کریم ﷺ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری یہ کہ خیر القرون میں کسی ثقہ مسلمان سے کسی کے ہاتھ تبرکاً چومنا ثابت نہیں۔ سلف صالحین کی پیروی میں دین اپنانا چاہیے، کیونکہ وہ شریعت کے تقاضوں سے بخوبی واقف تھے اور انہیں پورا کرنے والے تھے۔

(سوال): کیا امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ شیعہ تھے؟

(جواب): ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت وصیانت، صداقت واخلاص کے حامل محدثین اور ائمہ مسلمین کی کفیل رہی ہے۔ دشمنانِ اسلام کی من گھڑت اور پرفتن باتیں ان کا بال بھی بیکا نہیں کرسکیں۔ ظالموں کی تمام خرافات، لب گیری اور طعن وتشنیع ان کے دامن کو داغ دار نہیں کرسکی، بلکہ ان کی رفعتِ شان کو اور زیادہ بلندی نصیب ہوئی۔ جب ان معاندین اور ظالمین کو محدثین کرام نے عاق کر دیا تو یہ ان کی عزت کے درپے ہو گئے۔ وہ ہمہ وقت ان نفوسِ قدسیہ کے خلاف منفی پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں۔

ائمہ اسلام میں سے ایک مشہور ومعروف نام محمد بن جریر طبری ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت 224 ہجری کو طبرستان میں ہوئی۔ آپ رحمہ اللہ جلیل القدر، رفیع الشان، سنی امام، حافظ، ثقہ اور متقن ہیں۔ دنیا آپ کو امام المفسرین کے معزز لقب سے یاد کرتی ہے۔ آپ محدث، فقیہ، مفسر، مؤرخ، لغوی اور مجتہد مطلق کی بلند شان رکھتے ہیں۔ آپ صاحبِ تصانیف ہیں اور آپ کا شمار کبار ائمہ اسلام میں ہوتا ہے۔ تفسیر قرآن کریم میں آپ کا منفرد نام ہے۔

کیا امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ شیعہ تھے؟:

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ باتفاق علماءِ اسلام سنی مفسر اور امام ہیں۔ ان کی تفسیر اہل اسلام میں اس قدر مقبول ہے کہ ہر دور کے مسلمان قرآن فہمی کے لیے اس پر اعتماد کرتے

رہے ہیں، بعد میں آنے والے مفسرین اپنی اپنی تفاسیر میں اسے بنیادی اور اساسی مصدر اور ماخذ کے طور پر استعمال کرتے آئے ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''تفسیر القرآن العظیم'' میں اس کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ تفسیر ابن کثیر، ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے ذکرِ خیر سے لبریز ہے۔

❁ امام الائمہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ کے بارے میں حافظ ابن بالویہ محمد بن احمد الجلاب رحمہ اللہ کہتے ہیں:

> ''مجھ سے امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے کہا: مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے محمد بن جریر رحمہ اللہ سے کچھ تفسیر لکھی ہے؟ میں نے کہا: جی بالکل! میں نے ان سے تفسیر لکھی ہے۔ انہوں نے دریافت کیا: مکمل؟ میں نے کہا: جی ہاں! پوچھا: کس سن میں؟ میں نے کہا: 283 ھ سے لے کر 290 ھ تک۔ انہوں نے مجھ سے وہ نسخہ ادھار لیا اور کئی سال بعد واپس کیا۔ پھر انہوں نے کہا: میں نے شروع سے آخر تک پوری کتاب پڑھی ہے اور میرے علم کے مطابق روئے زمین پر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ سے بڑا کوئی عالم نہیں۔ یقیناً حنابلہ نے ان پر ظلم ڈھایا ہے۔''

(تاريخ بغداد للخطيب البغدادي: 163/2، وسندهٗ صحيحٌ)

البتہ اس تفسیر کو منکرین حدیث اور ملحدین و زنادقہ اپنے گلے کا کانٹا سمجھتے ہیں۔ اہل باطل قرآن کریم کی مَن پسند تفسیر کرنا چاہتے ہیں اور قرآنِ مجید کو اپنی خواہشات کی بھینٹ چڑھانا چاہتے ہیں، لیکن تفسیر طبری کے ہوتے ہوئے وہ اپنے ناکام اور مذموم مشن میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ان کا بُنا ہوا جال تار تار ہو جاتا ہے اور ان کی بنائی ہوئی خستہ عمارت دھڑام سے منہدم ہو جاتی ہے۔ تب منکرین حدیث اوچھے ہتھکنڈوں پر اُتر آتے

ہیں اور بلا دلیل وثبوت اعتراضات شروع کر دیتے ہیں۔

مشہور منکرِ حدیث، تمنا عمادی نے ایک مضمون لکھا، جس میں یہ باور کرانے کی ناکام اور مذموم کوشش کی ہے کہ امام ابن جریر رحمہ اللہ شیعہ تھے، تاکہ اہل اسلام کے دلوں میں امام ابن جریر رحمہ اللہ کی تفسیر بے نظیر کی حیثیت محو ہو جائے، ''طلوعِ اسلام'' کو یہ بات اچھی لگی تو اس پر یوں تبصرہ کر ڈالا:

''علامہ تمنا نے اپنے اس مضمون میں یہ ثابت کیا ہے کہ امام ابن جریر طبری در حقیقت شیعہ تھے۔ اگر یہ شیعہ تھے تو آپ خود سمجھ لیجیے کہ اہل سنت والجماعت جس تفسیر اور جس تاریخ کو اتنا معتبر سمجھتے ہیں، اس کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے اور اس بنیاد پر اٹھی ہوئی عمارتیں کس درجہ قابل اعتماد ہو سکتی ہیں۔''

(طلوعِ اسلام، ص:11، 7 مئی:1955ء)

دشمنانِ حدیث کی انتہائی کوشش ہے کہ اہل اسلام کا اس تفسیر سے اعتماد اٹھ جائے۔ یاد رہے یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔ ان شاء اللہ!

جب بھی قرآن مجید کی تفسیر کی بات آتی ہے تو مسلمانوں کی پہلی نظر تفسیر ابن جریر پر جا پڑتی ہے۔ یہ اہل اسلام اور اہل سنت والجماعت کے پاس معتبر، مستند ومسند، بنیادی اور اساسی تفسیری اثاثہ ہے، جسے اہل اسلام نے ہمیشہ اپنے ماتھے کا جھومر بنایا ہے۔ اہل سنت والجماعت ہر دور میں اس پر نازاں رہے ہیں۔ یہ عظیم القدر اور رفیع الشان تفسیر، اہل زیغ و شبہات کے ردّ میں سیف مسلول ہے۔

ایک مغالطہ اور اس کی حقیقت:

دراصل سنی امام محمد بن جریر بن یزید طبری رحمہ اللہ کے دور میں ان کا ایک ہم نام شخص

تھا،جس کا نام بھی محمد بن جریر تھا،البتہ اس کے دادا کا نام رستم تھا۔وہ بھی بغداد میں رہتا تھا۔اتفاق سے اس کا سن وفات بھی وہی ہے،جو سنی امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کا ہے۔ دونوں کی کنیت بھی ایک ہے،جس کی بنیاد پر ظالموں نے اشتباہ واقع کر دیا۔محمد بن جریر بن رستم طبری نامی شخص کی صفات سنی امام محمد بن جریر بن یزید طبری رحمہ اللہ پر تھوپ دیں اور اس بنا پر واویلا شروع کر دیا کہ ابن جریر طبری ابوجعفر رحمہ اللہ شیعہ ہیں،حالانکہ محمد بن جریر بن رستم طبری ابوجعفر نامی شخص ناپاک رافضی شیعہ ہے۔شیعہ کی معتبر کتابوں میں اس کا ذکر موجود ہے۔شیعہ شنیعہ بھی یہ فرق کرتے ہیں کہ محمد بن جریر بن یزید طبری سنی امام اور محمد بن جریر بن رستم طبری دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔امام محمد بن جریر بن یزید طبری رحمہ اللہ مفسر کو کسی نے شیعہ نہیں کہا،جیسا کہ مشہور و معروف سوانح نگار حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

”ان کے ہم عصر اور ان کے بعد والے علما نے ان کے حالات زندگی قلم بند کیے ہیں،مگر کسی نے ان کو شیعہ قرار نہیں دیا۔یہ اشتباہ ان (محمد بن جریر بن یزید طبری سنی اور محمد بن جریر بن رستم طبری رافضی) کے نام، باپ کے نام، نسبت،کنیت،ایک زمانے اور کثرتِ تصانیف مشترک ہونے سے واقع ہوا۔“

(لسان المیزان : 5/100، 101)

✿ مؤرخِ اسلام،حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) وضو میں پاؤں پر مسح کے بارے میں لکھتے ہیں:

”بعض علمائے کرام کا دعویٰ ہے کہ ابن جریر نام کے دو شخص ہیں؛ان میں ایک شیعہ ہے،جس کی طرف یہ منسوب ہے۔اہل علم امام ابوجعفر کو ان صفات سے پاک قرار دیتے ہیں۔(شیعہ قرار دینے والوں کی طرف سے) امام صاحب

کی جس کلام کو دلیل بنایا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تفسیر میں پاؤں دھونے کو واجب قرار دیا ہے، لیکن ساتھ میں وہ پاؤں کے ملنے کو بھی واجب قرار دیتے ہیں۔ البتہ ملنے کو انہوں نے 'مسح' کے لفظ سے بیان کیا ہے اور اکثر لوگ ان کی مراد کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکے۔ انہوں نے یہ نقل کر دیا کہ امام صاحب دھونے کے ساتھ پاؤں کا مسح کرنا بھی واجب سمجھتے ہیں (حالانکہ 'مسح' کا لفظ رگڑنے اور ملنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے اور امام صاحب کی یہی مراد تھی)۔''

(البداية والنهاية : 167/11، طبعة إحياء التراث)

معلوم ہوا کہ امام طبری رحمہ اللہ کو شیعہ کہنا یا تو ناواقفیت ہے یا پھر ہٹ دھرمی۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر طبری کو اہل علم جانتے ہیں۔ آپ کی تفسیر ہر دور میں متداول رہی ہے۔ ہر زمانے کے علما اس سے استفادہ کرتے رہے ہیں، لیکن کسی نے آپ کو شیعہ نہیں کہا۔ نہ معلوم منکرین حدیث خواہ مخواہ کیوں ادھار کھائے بیٹھے ہیں؟

(سوال): اجماع امت دلیل قطعی ہے یا ظنی؟

(جواب): اجماع امت معصوم ہے، یہ دلیل قطعی ہے، اللہ تعالیٰ نے امت کے اجماع کو غلطی سے محفوظ رکھا ہے۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَجْمَعُ اللّٰهُ أُمَّتِي عَلٰى ضَلَالَةٍ أَبَدًا .

''اللہ میری امت کو گمراہی پر کبھی متفق نہیں کرے گا۔''

(المستدرك على الصّحيحين للحاكم : 116/1، وسندهٗ حسنٌ)

❀ علامہ ابن رجب رحمہ اللہ (۷۹۵ھ) نے کیا خوب لکھا ہے:

أَمَّا مَا اتَّفَقَ عَلٰى تَرْكِهٖ فَلَا يَجُوْزُ الْعَمَلُ بِهٖ لِأَنَّهُمْ مَا تَرَكُوهُ إِلَّا عَلٰى عِلْمٍ أَنَّهٗ لَا يُعْمَلُ بِهٖ .

''جس کام کے چھوڑنے پر سلف کا اتفاق ہو، وہ کام کرنا جائز نہیں، کیونکہ انہوں نے اسے چھوڑا ہی اس لئے تھا کہ اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔''

(فضل علم السّلف علی علم الخلف، ص 31)

جس کام کے چھوڑنے پر سلف صالحین متفق ہوں، اسے کرنا جائز نہیں۔

❁ علامہ شاطبی رحمہ اللہ (790ھ) لکھتے ہیں:

''اجماع کی مخالفت کرنے والا خود خطا کار ہوتا ہے، کیونکہ اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی، لہٰذا سلف جس کام کو کرنے یا چھوڑنے پر متفق ہوں، وہی سنت اور معتبر ہے اور وہی ہدایت ہے۔ کسی کام میں دو ہی احتمال ہوتے ہیں، درستی یا غلطی، جو سلف صالحین کی مخالفت کرے گا، وہ خطا پر ہوگا اور یہی اس کے خطا کار ہونے کے لیے کافی ہے۔''

(المُوافقات: 72/3)

سوال: کیا آیت مبارکہ: ﴿إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ (الأحزاب: ٣٣) میں ازواج مطہرات شامل ہیں؟

جواب: قرآن کریم ازواج مطہرات سے مخاطب ہے:

﴿إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ (الأحزاب: ٣٣)

''اہل بیت! اللہ چاہتا ہے کہ آپ سے گناہ دور کر دے اور آپ کو خوب پاک

صاف کردے۔''

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

نَزَلَتْ فِي نِسَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً .

''یہ آیت خاص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔''

(تفسير ابن كثير : 410/6، بتحقيق سلامة، وسندهٗ حسنٌ)

❁ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَنْ شَاءَ بَاهَلْتُهُ أَنَّهَا نَزَلَتْ فِي أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

''میں اس پر مباہلے کو تیار ہوں کہ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے بارے میں نازل ہوئی۔''(تفسير ابن كثير : 411/6، وسندهٗ حسنٌ)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا نَصٌّ فِي دُخُولِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَهْلِ الْبَيْتِ هَاهُنَا؛ لِأَنَّهُنَّ سَبَبُ نُزُولِ هٰذِهِ الْآيَةِ .

''یہ آیت نص ہے کہ ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت میں شامل ہیں، کیونکہ ازواجِ مطہرات ہی اس آیت کے نزول کا سبب ہیں۔''

(تفسير ابن كثير : 410/6، بتحقيق سلامة)

❁ نیز فرماتے ہیں:

إِنْ كَانَ الْمُرَادُ أَنَّهُنَّ كُنَّ سَبَبَ النُّزُولِ دُونَ غَيْرِهِنَّ فَصَحِيحٌ، وَإِنْ أُرِيدَ أَنَّهُنَّ الْمُرَادُ فَقَطْ دُونَ غَيْرِهِنَّ، فَفِي هٰذَا نَظَرٌ؛ فَإِنَّهُ قَدْ وَرَدَتْ أَحَادِيثُ تَدُلُّ عَلٰى أَنَّ الْمُرَادَ أَعَمُّ مِنْ ذٰلِكَ .

''اگر یہ مراد ہو کہ ازواجِ مطہرات کے علاوہ کوئی بھی اس آیت کے نزول کا سبب نہیں، تو یہ بات درست ہے، اگر یہ مراد لیا جائے کہ اہل بیت کے مفہوم میں ازواجِ مطہرات کے علاوہ کوئی شامل نہیں، تو یہ محل نظر ہے، کئی احادیث بتاتی ہیں کہ اہل بیت کا مفہوم وسیع ہے۔''

(تفسير ابن كثير : 411/6، بتحقيق سلامة)

آیت کا مفہوم اگر چہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بیویاں اہل بیت میں شامل ہیں، لیکن صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرف دیگر رشتہ داروں اور قرابت داروں کو بھی ملا ہے، بل کہ اگر بیویاں اہل بیت ہیں تو رشتہ دار بالاولیٰ اہل بیت میں شامل ہیں۔

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

''قرآنِ کریم میں تدبر کرنے والا جس چیز میں شبہ نہیں کرسکتا، وہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ازواج اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں داخل ہیں: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ ''اہل بیت! اللہ چاہتا ہے کہ آپ سے گناہ دور کر دے اور آپ کو خوب پاک صاف کر دے۔'' سیاق کلام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن والے مفہوم کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا: ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ ''اے نبی کی ازواج! اللہ کی آیات وحکم جو آپ کے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں، انہیں یاد کریں۔'' کتاب وسنت کی جو نصوص اللہ تعالیٰ تمہارے گھروں میں رسول ﷺ پر نازل کرتا ہے، ان پر عمل کریں۔ امام قتادہ سمیت کئی اہل علم نے یہ تفسیر کی ہے۔ مراد یہ ہے کہ اے نبی

کی ازواج! اس نعمت کو یاد کرو، جو خاص آپ کو نصیب ہوئی کہ وحی صرف آپ کے گھروں میں نازل ہوتی ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس نعمت میں سب سے آگے تھیں، سب سے بڑھ کر اس غنیمت سے فائدہ اٹھانے والی تھیں اور اس بے بہا رحمت کا سب سے زیادہ حصہ پانے والی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وحی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی زوجہ کے بستر پر نہیں اتری، سوائے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے، جیسا کہ انہوں نے خود بیان فرمایا۔ وجہ اس خصوصیت کی یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی باکرہ سے شادی نہیں کی، اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی مرد نے خلوت اختیار نہیں کی، چنانچہ اس امتیاز کے لئے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب ہی مناسب تھا۔ اس آیت کے مطابق ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت میں سے ہیں، تو لازم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار بھی اہل بیت میں ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''میرے گھر والے اہل بیت ہونے کے زیادہ حق دار ہیں۔'' اس کی ایک مثال صحیح مسلم میں موجود ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ قرآن میں جس کے بارے میں ہے، کہ وہ پہلے دن سے تقویٰ پر استوار کی گئی تھی، وہ کون سی مسجد ہے؟ فرمایا میری یہ مسجد ''مسجد نبوی'' ہے۔ حالانکہ یہ آیت تو مسجدِ قباء کے متعلق نازل ہوئی تھی، لیکن جب مسجد قبا پہلے دن سے ہی تقویٰ پر استوار کی گئی تھی، تو مسجد نبوی اس نام کی زیادہ حق دار تھی۔ اہل بیت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر : 6/415، 416، بتحقیق سلامة)

❁ حصین بن سبرہ رحمہ اللہ نے سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

مَنْ أَهْلُ بَيْتِهٖ يَا زَيْدُ؟ أَلَيْسَ نِسَاؤُهٗ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ؟

''زید! نبی اکرم ﷺ کے اہل بیت کون ہیں؟ آپ ﷺ کی ازواج اہل بیت میں شامل نہیں؟''

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نِسَاؤُهٗ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ. ''آپ ﷺ کی ازواج اہل بیت میں شامل ہیں۔''

(صحیح مسلم : 2408)

سوال: کیا اہل بیت کا اجماع حجت ہے؟

جواب: روافض کے نزدیک اگر کسی مسئلہ پر صرف اہل بیت اجماع کر لیں، تو وہ حجت ہے، جبکہ یہ بات درست نہیں، کیونکہ اہل بیت سے مراد پوری امت نہیں ہے، اجماع سے مراد ایک زمانہ کے تمام اہل حق علما کا اتفاق کرنا ہے، اس میں اہل بیت سے ہونے یا نہ ہونے کا ذکر نہیں۔

سوال: کیا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا؟

جواب: کسی کی خلافت کے ثبوت کے لیے تمام مسلمانوں کا متفق ہونا ضروری نہیں، چند مقتدر شخصیات کا اتفاق کافی ہے، جبکہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام امت کا اجماع واتفاق ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جہانِ فانی سے رخصت ہوئے، تو انصار کہنے لگے:

''ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک آپ میں سے، عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور فرمایا: انصاریو! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو

امامت کا حکم دیا تھا؟ کون ہے جو ابو بکر سے مقدم ہونا چاہتا ہے؟ انصار کہنے لگے: اللہ کی پناہ کہ ہم ابو بکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھنے کا سوچیں۔''

(مسند الإمام أحمد : 21/1، 396، سنن النّسائي : 778، مصنّف ابن أبي شيبة : 330/2، 567/14، طبقات ابن سعد : 224/2، 178/3، السّنّة لابن أبي عاصم : 1193، المعرفة والتّاريخ للفسوي : 454/1، المستدرك للحاكم : 67/2، السّنن الكبرىٰ للبيهقي : 152/8، التّمهيد لابن عبد البر : 128/22، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کی سند کو امام حاکم رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔ نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس کی سند کو ''حسن'' کہا ہے۔

(فتح الباري : 153/12)

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَمِعْتُ عُمَرَ يَقُولُ لِأَبِي بَكْرٍ يَوْمَئِذٍ : اصْعَدِ الْمِنْبَرَ ، فَلَمْ يَزَلْ بِهٖ حَتّٰى صَعِدَ الْمِنْبَرَ، فَبَايَعَهُ النَّاسُ عَامَّةً .

''میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس دن سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہتے سنا کہ منبر پر چڑھیں، وہ مسلسل یہ بات کہتے رہے، حتی کہ آپ رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھ گئے، پھر تمام لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔''

(صحيح البخاري : 7219)

❁ سالم بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مرضِ موت میں غشی طاری ہو گئی، افاقہ ہوا، تو پوچھا: نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں! تو فرمایا: بلال کو حکم دیں، وہ اذان کہیں اور ابو بکر سے کہیں کہ وہ نماز پڑھائیں:

''(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد) مہاجرین مشورہ کے لیے جمع ہوئے،

کہا: ہمیں انصار کے پاس لے چلو، ہم انہیں بھی اس معاملہ میں شریک کریں گے، انصار نے کہا: ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر آپ میں سے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس جیسی منقبت کس کے لیے ہے؟ ﴿إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾(التّوبة : ٤٠) ''جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے کہ گھبراؤ نہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' وہ دونوں کون ہیں؟ آپ نے ہاتھ بڑھایا اور بیعت کی اور سب لوگوں نے اچھے اور خوبصورت انداز سے بیعت کی۔''

(السّنن الکبریٰ للنّسائي : 8109، 11219، الشّمائل للترمذي : 397، مسند عبد بن حمید : 365، المُعجم الکبیر للطّبراني : 6367، وسندہٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۱۵۴۱-۱۶۲۴) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

(سوال): کیا کسی مسئلہ میں اختلاف کے بعد دوبارہ اسی مسئلہ پر اتفاق ہو سکتا ہے؟

(جواب): ایسا ممکن ہے کہ ایک مسئلہ میں ایک زمانہ کے علما کا اختلاف رہا ہو اور بعد والے زمانہ میں اہل علم اس مسئلہ پر اتفاق کر لیں۔ اس کی مثالیں موجود ہیں۔

(سوال): اگر ایک زمانہ میں کسی مسئلہ پر اجماع ہو جائے اور اگلے کسی زمانہ میں اس مسئلہ پر اختلاف ہو جائے، تو کیا پہلا اجماع حجت رہے گا؟

(جواب): کسی مسئلہ پر اجماع ہو جائے، تو بعد والوں کا اس میں اختلاف کرنا جائز نہیں، وہ اجماع حجت ہی رہے گا۔ اس کا انکار جائز نہیں اور اس کی مخالفت بھی جائز نہیں۔

(سوال): کیا موجودہ دور میں اجماع ممکن ہے؟

(جواب): راجح یہی ہے کہ اجماع ہر دور میں ہو سکتا ہے۔ موجودہ دور میں مرزا غلام

احمد قادیانی اوراس کے متبعین کے کافر اور مرتد ہونے پر اجماع ہوا ہے۔

(سوال): جو شخص مزدور کی مزدوری نہیں دیتا، اس کا کیا حکم ہے؟

(جواب): مزدور کی مقررہ مزدوری ادا کرنا واجب ہے، جو اس کی ادائیگی نہیں کرتا، وہ ظالم اور فاسق ہے۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ فرماتا ہے: روز قیامت تین لوگوں کے خلاف میں خود مدعی ہوں گا؛ جس نے میرے نام پر عہد کیا، پھر اسے توڑ دیا، جس نے کسی آزاد کو فروخت کیا اور اس کی قیمت کھالی، جس نے کسی مزدور سے پورا کام لیا، مگر اسے مزدوری ادا نہ کی۔''

(صحيح البخاري : 2227)

(سوال): کیا گناہ کے کاموں میں مزدوری کرنا جائز ہے؟

(جواب): گناہ کے کاموں میں کسی قسم کا تعاون کرنا جائز نہیں، مثلاً سودی کاروبار میں ہر قسم کی معاونت حرام ہے۔

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

(المائدة : 2)

''نیکی اور تقویٰ کے امور پر ایک دوسرے کی معاونت کیا کریں، گناہ اور ظلم کے کام پر کسی کا ہاتھ نہ بٹایا کریں۔''

❁ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے، دینے والے، لکھنے والے اور اس پر گواہ

بننے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔اور فرمایا: یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔‘‘

(صحيح مسلم : 1598)

سوال: کیا نابینا کی امامت مکروہ ہے؟

جواب: نابینا کی امامت بلا کراہت جائز ہے۔

✿ امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

إِبَاحَةُ إِمَامَةِ الْأَعْمٰى كَالْإِجْمَاعِ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ .

’’نابینا کی امامت کے جواز پر تقریباً اہل علم کا اجماع ہے۔‘‘

(الأوسط في السّنن والإجماع والإختلاف : ١٥٤/٤)

✿ سیدنا محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

’’سیدنا عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے امام تھے۔ آپ نابینا تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگے: اللہ کے رسول! میرے گھر اور مسجد کے درمیان اندھیرا اور برساتی نالا حائل ہے، ہوں بھی نابینا، آپ سے درخواست ہے کہ آپ میرے گھر میں کسی جگہ نماز پڑھ دیں تا کہ میں وہ جگہ نماز کے لیے خاص کر دوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اگلے دن) ان کے گھر آئے اور فرمایا: کہاں نماز پڑھوں؟ انہوں نے گھر کے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نماز پڑھ دی۔‘‘(صحيح البخاري : 667)

✿ امامِ اندلس، حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

’’اس حدیث سے نابینا کی امامت کا جواز ملتا ہے، ہمارے مطابق اس میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں۔‘‘(الاستذكار : 361/2)